JOURNAL'S PROFILE

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Asif
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 333 6062921

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
muhammadasif12@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 41, Issue No.01

TITLE OF THE PAPER

اردو تھیٹر اور ڈرامہ کی روایت

AUTHOR(S)

* **Aqil Khan**
Ph.D Scholar, Department of Urdu
Bahauddin Zakariya University, Multan

CONTACT

* aaqilmehfooz@gmail.com

HISTORY OF THE PAPER

Received on: December 28, 2024
Accepted on: December 30, 2024
Published on: June 30, 2025

DETAIL(S)

Volume No. 41, Issue No. 01, Page No: 99-114
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT

©The author(s) 2025. ©Journal of Research (Urdu) 2025.
This publication is an open access article.

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E): 1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

* عاقل خان

اردو تھیٹر اور ڈرامہ کی روایت

Tradition of Urdu Theater and Drama

ABSTRACT

Drama is the important genre of Urdu literature. Drama shows its all aspects when it performs at stage and becomes the part of theatrical activities. The study presents chronological analysis of Urdu drama and theatre. Playwright and drama director form the style and dramatic presentation of the drama which plays a key role in the development of theatrical dynamics. Moreover, drama depicts the cultural, social and civic sense of the society which transform with the passage of time.

KEYWORDS

Genre, Aspects, Theatrical, Chronological, Analysis, Playwright, Director, Dynamics, Transform, Passage.

ڈرامے کی صنف میں کیے جانے والے تجربات سے یہ بات امر ہو گئی ہے کہ ڈراما صرف ادبی صنف نہیں بلکہ ایک عملی صنف ہے۔ کیونکہ ادب کی تمام اصناف کی طرح اس کی تکمیل محض الفاظ سے نہیں ہوتی۔ حقیقی معنوں میں ڈرامہ مجسم عمل ہے۔ اس کو صرف عمل کی لفظی تصویر کہنا کافی نہیں۔ ماہرین فن کا یہ قول ہے کہ ڈرامے کے قوانین اس کے سرپرست وضع کرتے ہیں۔ اس سے مراد صرف وہ الفاظِ کلام نہیں جو ڈراما نگار تخلیق کرتے ہیں بلکہ یہ کلیہ اسٹیج کے ہی تمام لوازم اور تھیٹر و ڈرلا کے تمام عناصر کے آئین پر حاوی ہوتا ہے۔ اس میں ڈراما نگار سے لے کر اداکار، تماشائی اور اسٹیج کے تمام کردار تک برابر کے شریک ہیں۔ بقول عشرت رحمانی:۔

> ”ایک مکمل ڈراما اسٹیج پر پیش ہونے والی چلتی پھرتی تصویریں ہیں جو الفاظ کا جامہ زیب تن کیے ہوتی ہیں۔ یعنی ڈرامے کے لیے عمل لازمی ہے۔ اگر کوئی ڈراما نگار صرف تخیل کی دنیا کے مفروضات کو صفحہ قرطاس پر پیش کر دے اور وہ ادائیگی اور عمل سے محروم رہیں تو اس تحریر کی ادبی شان مسلم و اعلیٰ تسلیم کیے جانے کے باوجود اس کو ڈراما نہیں مانا جائے گا۔“(1)

Published by:
Department of Urdu
Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan)-60800
Website: https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

انسانی نفسیات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسانی جبلت یکسانیت سے دور بھاگتی ہے اور اس کی جسمانی ساخت ہمیشہ پر مشقت زندگی کے بعد تفریح، سکون اور آسائش کا تقاضا کرتی ہے۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ کس طرح ابتداء سے ہی انسان مختلف شکل میں تفریح کا بندوبست کرتا رہا ہے اور اپنی نفسیاتی خوشی کے لیے مختلف ذرائع کا استعمال بھی کرتا رہا ہے۔ عشرت رحمانی کے مطابق:۔

> ''یہ کہنا صحیح ہے کہ ڈراما دنیا کی پیدائش کے وقت سے شروع ہوا۔ وحشی اقوام کا جنگلوں اور پہاڑوں میں بغیر ساز وسامان اور لباس وآرائش کے آگ روشن کر کے اپنی بول چال میں آوازیں نکالنا، ناچنا، گانا اور کھیلنا کودنا ناٹک یا ڈراما ہی تھا اور یہ سب ان کی زندگی کے عین مطابق وقت، موقع اور ماحول کی مناسبت سے تھا۔''(2)

گزرتے وقت کے ساتھ ڈراما دستیاب سہولتوں اور انسانی ضروریات کے پیش نظر اپنی پیش کاری کی شکلیں ضرور بدلتا رہا مگر اس کا بنیادی اور لازمی مقصد یہی رہا کہ انسان اس سرگرمی سے لطف وانبساط حاصل کر سکے اور اپنی روزمرہ زندگی کی پریشانیوں سے کچھ وقت کے لیے علیحدہ ہو سکے۔ ڈرامے کی صنف سے حظِ حاصل کرنے کے لیے مختلف تجربات اس فن میں کیے جاتے رہے ہیں۔ بقول وقار عظیم:۔

> ''یونانیوں نے ڈرامے کو جو کچھ سمجھا اس کا اظہار اس لفظ کی ساخت سے ہوتا ہے۔ لفظ ڈراما کی اصل یونانی ہے اور اس زبان میں اس کے معنی ہیں کہ دکھانا، گویا یونانیوں کے نزدیک ڈرامے کا سب سے بڑا امتیاز اور اس کا بنیادی عنصر اس کی یہی خصوصیت ہے جو کچھ لکھا جائے اسے کر کے دکھایا جائے۔ یہ ڈرامے کی بڑی سیدھی سادھی لیکن بڑی واضح اور روشن تعریف ہے۔''(3)

ہندوستان میں ڈرامے کے بارے میں جو روایت زبان زد عام رہی وہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ دیوتاؤں کے دل میں اپنی ہموار سپاٹ اور بے تغیر اور بے لطف زندگی سے ایسی اکتاہٹ پیدا ہوئی کہ وہ سب مل کر راجا اندر کے پاس گئے اور اپنی بے مزہ اور پھیکی زندگی کے لیے دلچسپ مشاغل کے طالب ہوئے۔ راجا اندر نے کہا چلو برہما کے پاس چلیں۔ ممکن ہے کہ کوئی صورت نکلے۔ چنانچہ سب برہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی عرضداشت پیش کی برہما نے تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد ایک ترکیب نکالی۔ انہوں نے رگ وید سے رقص، سام وید سے سرود، یجر وید سے حرکات وسکنات اور اتھر وید سے اظہار جذبات کا طریقہ اخذ کر کے ایک پانچواں وید ترتیب دیا اور نٹ وید اس کا نام تجویز کیا۔ یہ عجیب وغریب نسخہ دیوتاؤں کے ہاتھ آیا تو وہ خوش خوش واپس آئے۔ اس نسخہ کو عملی طور پر آزمایا اور یہی آگے

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E): 1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

چل کر دنیاوالوں کے لیے بھی تفریح کاذریعہ بنا۔اسی کی بنیاد پر ''شکنتلا'' جیسے ناٹک لکھے گئے۔ وقار عظیم رقمطراز ہیں کہ:۔

''مشرق میں ہندوستان اور مغرب میں یونان کو ڈرامہ کی تخلیق اور پرورش میں آغوشِ مادر اور گہوارہ محبت کی حیثیت حاصل ہے اور اس لیے ان دونوں ملکوں میں اس صنف ادب کے ساتھ جو تصورات وابستہ ہوئے اور جن روایتوں نے جنم لیا انہی کو آنے والی صدیوں میں بھی اس کے فن کے لازمی عناصر سمجھا گیا۔''(4)

روایت

واجد علی شاہ

واجد علی شاہ کی بادشاہت میں رہس کے تین بڑے جلسے سجائے گئے جن میں حاضرین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ پہلا جلسہ انہوں نے اپنی مثنوی افسانہ عشق کو رہس کی شکل دے کر سجایا دوسرے جلسے میں اپنی مثنوی ''دریائے تعشق'' کو رہس کی شکل میں پیش کیا۔ تیسرے جلسے میں ''بحر الفت'' نامی مثنوی کو ناٹک کی صورت میں پیش کیا جن کی بدولت ہم واجد علی شاہ کو اُردو ڈرامے کے اولین پیش کار تصور کریں تو غلط نہ ہو گا۔ رجب علی بیگ سرور کے مطابق:۔

''ان تینوں ڈراموں /ناٹکوں میں شاہی خاندان اور طبقہ خواص کے مخصوص لوگ مدعو کیے گئے تھے لیکن ۱۲۶۹ھ میں سال گرہ کے موقع پر واجد علی شاہ نے ''جوگیا میلے'' کو ایک نئی صورت دی اور اس میلے کو سارے شہر میں عوام کے لیے کھول دیا۔ تمام ناظرین کے لیے بس اک شرط تھی کہ وہ گھیرا ؤں کپڑے پہن کر آئیں۔''(5)

بہار میں اُردو تھیٹر:

انیسویں صدی کے آخیر عشرے میں بہار اُردو تھیٹر سے مستفید ہونا شروع کرتا ہے اور یہاں باقاعدہ اُردو تھیٹر کا آغاز ہوتا ہے۔ باہر سے بھی کمپنیاں بہار کے مختلف شہروں میں آکر بسیرا کرتی ہیں اور تماشوں کا رواج ڈالتی ہیں۔ بہار میں سٹیج کے لیے ڈرامے بھی لکھوائے گئے۔ تھیٹر بازی کا یہ شوق بیسویں صدی کے اول ربع تک برقرار رہا۔ مقامی تھیٹر کمپنیوں ان میں شامل اداکاروں، منتظمین، سازندوں، تماشیوں اور دوسرے شہروں سے آکر کھیل پیش کرنے والی کمپنیوں نے تھیٹر کا مکمل ماحول پیدا کیا۔ بہار کے اُردو ڈرامے پر بنگال کے ڈرامے اور اسٹیج کا ہی اثر ہوا تھا۔ جو پہلا ڈرامہ

بہار میں کھیلا گیا وہ بھی بنگالی ڈرامے سجاد سنبل کا ترجمہ تھا۔ سید حسن رقمطراز ہیں کہ:۔

> ''پٹنہ میں تھیٹر ۱۸۷۴ء میں قائم ہو چکا تھا۔ غالباً یہ سٹیج ہندی ڈراموں کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ لیکن اُس پر ایسے ناٹک بھی کھیلے گئے تھے جن کی زبان اُردو تھی، اس اعتبار سے ''سجاد سنبل'' پہلا اُردو ڈرامہ ہے جو بہار میں لکھا اور سٹیج کیا گیا۔''(6)

بنگال میں اُردو تھیٹر:

اُردو ڈرامے اور تھیٹر کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہندوستان میں اُردو تھیٹر نے کس طرح تدریجی طور پر مختلف علاقوں میں سفر کیا۔ اُردو ڈرامے نے لکھنؤ میں واجد علی شاہ کے دربار میں ''رہس'' کی شکل میں جو عروج دیکھا اس عروج نے ڈرامے کی قدر و منزلت کو دوام بخشا اور ڈرامہ کا یہ عروج لکھنؤ میں ''اندر سبھاؤں'' سے فیض حاصل کر کے بنگال میں پہنچا۔ جہاں ڈرامے کو ''ناگر سبھاؤں'' کے رواج نے توقیر بخشی۔ بنگلہ ڈرامہ اس قدر مضبوط ہوا کہ اس کا ترجمہ انگریزی زبانوں میں بھی ہونے لگا۔ تدریجی لحاظ سے بمبئی میں ڈرامے کا عروج بنگال کے ڈرامے کے عروج کے بعد کی گھڑی ہے۔ ڈاکٹر کلیم سہرامی لکھتے ہیں کہ:۔

> ''اُردو ڈرامے کا آغاز بمبئی سے پہلے مشرقی بنگال میں ہو چکا تھا وجہ یہ ہے کہ ڈرامے باضابطہ اسٹیج کیے جانے تھے۔ اگر مشرقی بنگال میں ناٹک کمپنیوں کو زوال نہ ہوتا تو کون جانتا ہے کہ بمبئی میں اُردو ڈرامے کی نوعیت کیا ہوتی؟ گویا مشرقی بنگال میں اُردو ڈرامے کی خزاں سے بمبئی کے اُردو ڈرامے کی بہار آراستہ کی گئی۔''(7)

امانت اندر سبھا:

اندر سبھا اُردو ادب میں ایک اعلیٰ نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔ لکھنؤ کی دلفریب روایات میں جہاں پر تفریح و تفنن کا سامان ہر وقت میسر رہتا تھا۔ لکھنؤ کی اسی معاشرت میں اکثر سبھائیں سجائی جاتی تھیں۔ جن کا اہتمام حویلیوں، بڑے گھروں کے احاطوں میں کیا جاتا تھا اور لوگ اپنے تفریحی ذوق کی تکمیل کے لیے خود گروہوں اور منڈلیوں کی صورت میں سبھائیں سجاتے تھے۔ انہیں سبھاؤں میں سب سے زیادہ مقبولیت امانت لکھنوی کی اندر سبھا کے حصے میں آئی۔

سید آغا حسن امانت لکھنوی لکھنؤ کے باشندے تھے اور میر آقا علی عرف میر آغا کے بیٹے ۱۸۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ مشہور مرثیہ گو دلگیر کے شاگرد ہوئے۔ امانت نے اندر سبھا کو ڈیڑھ برس میں مکمل

کیا۔امانت سے قبل جن سبھاؤں کو سجایا جاتا تھا ان کی طرز مثنوی کی طرح ٹھمیں گانے بھی اضافے کے طور پر شامل ہوتے تھے۔وقار عظیم کے مطابق:۔

”امانت کی اندر سبھا میں پریوں کا پریوں سے ہاتھ ملا کر گلدستے لیے ناچنا، واجد علی شاہ کے رہس مہتاب مکھی اور رہس کی ابتدائی ہدایات سے مطابقت رکھتا ہے۔امانت کے پس منظر میں موسیقی ور قص کے رہس تھے جن کی بنیادوں پر اس کی جودت طبع اور ندرت تخیل نے اندر سبھا کے راگ ناٹک کی عمارت استوار کی۔“(8)

آغا حشر کاشمیری:

آغا حشر کا خاندان کا تعلق کشمیر سے تھا۔آغا حشر کی پیدائش بنارس میں ہوئی۔گھرانہ مذہبی تھا۔مذہبی تعلیم بچپن سے ہی حاصل کرنا شروع کر دی عمر گزرنے کے ساتھ کئی سال تک مذہبی مناظروں، مباحثوں کے ذریعے آریوں اور عیسائیوں میں تبلیغ کرتے رہے۔ماحول کے اثرات کے ذریعے آغا حشر ڈرامے کے میدان میں داخل ہوئے۔آغا حشر کی کل زندگی ڈرامے کے میدان کے لیے وقف رہی۔یہی ان کا مشغلہ رہا۔ان کے تصنیف کردہ ڈرامے یہ ہیں۔اسیر حرص، خوبصورت بلا، ترکی حور، ٹھنڈی آگ، آنکھ کا نشہ، خواب ہستی، شہید ناز، بلوا منگل سورداس، سفید خون، صید ہوس یہودی کی لڑکی، رستم وسہراب۔

تقسیم سے قبل کے اُردو اسٹیج کا جائزہ لیتے ہوئے ہم یہ بات جان جاتے ہیں کہ آغا حشر اُردو سٹیج، پر اپنی مکمل لیاقتوں اور عملی کاوشوں کے ساتھ پورے دور کا احاطہ بھاری بھر کم انداز میں کیے ہوئے ہیں۔شمس کنول لکھتے ہیں کہ:۔

”اُردو اسٹیج کا سب سے اہم واقعہ آغا حشر کا ظہور ہے اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ہندوستانی اسٹیج کا ماحاصل کیا ہے تو میں کہوں گا صرف آغا حشر۔“(9)

حکیم احمد شجاع

حکیم احمد شجاع نے اُردو میں جو اسٹیج ڈرامے تحریر کیے۔ان میں ”باپ کا گناہ، بھیشم پرتگیا“ شامل ہیں۔حکیم احمد شجاع نے کچھ بنگالی ڈراموں کو اُردو میں بھی منتقل کیا۔ان میں ”مینا، منتوش اور تدا“ قابل ذکر ہیں۔ریڈیائی ڈراموں میں طرابلس، کانفرنس اور شاہکار شامل ہیں۔ٹیلی وژن ڈراموں میں ہیرے کی چوری، محبت کی جیت، چھیل

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

شاہ اور وصیت اہم ہیں۔ان کی لکھی ہوئی فلمی کہانیوں میں شیش محل، دوپٹہ، بڑی بیرم خان، دو آنسو، گمنام، قائل، سرفروش اور وطن قابل ذکر ہیں۔

حکیم احمد شجاع کا مشہور ڈراما، باپ کا گناہ، 1918ء میں لکھا گیا۔اسے ۱۹۲۳ء میں پہلی دفعہ اسٹیج پر پیش کیا گیا۔ بطور ڈراما نگار حکیم احمد شجاع کا یہی ڈرامہ نمائندہ ہے۔اے۔بی۔اشرف لکھتے ہیں:۔

> ''باپ کا گناہ اپنے ہم عصر ڈراموں سے بالکل مختلف دکھائی دیتا ہے۔یہ ڈراما اُردو کا پہلا مجلسی اور معاشرتی ڈراما ہے۔ جس کو لکھتے وقت مصنف کے سامنے اصلاح کا نیک اور بامقصد جذبہ موجود تھا۔یہ پہلا طبع زاد ڈرامہ ہے جس کا پلاٹ حکیم احمد شجاع کی اپنی کاوش ہے۔اس میں نہ تو سستے قسم کا مزاج ہے نہ گانوں اور ناچوں کی بھرمار نہ مکالمات میں پھکڑ پن ہے۔''(10)

طالب بنارسی:

طالب بنارسی کا حقیقی نام نانک پرشاد اور تخلص طالب تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ان کے والد منشی روشن لال کائستھ پڑھے لکھے شخص تھے۔ طالب نے بھی انگریزی، اُردو، فارسی، اور ہندی کی تعلیم حاصل کی۔ فن موسیقی میں بھی دسترس بہم پہنچائی۔عبدالعلیم رقمطراز ہیں کہ:۔

> ''منشی صاحب جب دنیائے تھیٹر میں داخل ہوئے اس وقت ان کی عمر کم و بیش ۳۰ سال تھی۔ متین صورت، سبک ناک نقشہ، چھوٹی چھوٹی مونچھیں، سر پر پنڈتوں جیسی پگڑی جسم پر ایک کرتہ کم گو دن بھر اپنے کمرے میں رہتے ایک کونہ میں کتابیں رہتیں اور دوسرے کونہ میں طبلہ، سارنگی، ہارمونیم اور دوسرے ساز جب تک جی چاہتا طرزیں بناتے مطالعہ کرتے شعر و شاعری کرتے۔''(11)

ان کے ڈراموں میں لیل و نہار، نل دمیتی، فسانہ عجائب اوپرا، چمن عشق، نگاہِ غفلت، دلیر دلشیر، خزانہ غیب، کرشمہ محبت، طلسماتِ گل، گوپی چند، ہریش چندر، سنگین بکاؤلی، الہ دین، بکرم بلاس، عاشق کا خون، خورشید عالم شامل ہیں۔طالب بنارسی نے اپنے کچھ ڈراموں کا متن رونق کے ڈراموں میں تبدیلی کر کے بھی ترتیب دیا تھا۔طالب بنارسی کا انتقال ۱۹۲۲ء میں ہوا۔

احسن لکھنوی:

احسن لکھنوی اُردو ڈرامے کا زریں نام تھے۔ان کا نام سید مہدی حسن اور تخلص احسن تھا۔ لکھنؤ کے

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

باشندے تھے۔نواب مرزا شوق کے نواسے تھے۔فن موسیقی، سپہ گری، بانٹ بنوٹ کے علاوہ شعر گوئی اور انشاء پردازی میں دسترس رکھتے تھے۔ان کے بزرگوں کا پیشہ سپہ گری تھا۔ان کے دادا سید نثار علی فوج میں کمیدان تھے اور والد میر حسن بھی فوج میں کسی ممتاز عہدے پر فائز تھے۔احسن لکھنوی نے قدیم طرز پر عربی اور فارسی کی تعلیم پائی تھی۔انگریزی میں بھی استعداد پیدا کی۔اے بی اشرف لکھتے ہیں:۔

> ''۱۸۹۷ء میں احسن لکھنؤ سے بمبئی گئے اور وہاں الفریڈ تھیٹریکل کمپنی سے بطور ڈراما نویس وابستہ ہوئے۔احسن نے شیکسپیئر کے ڈراموں کو اُردو میں منتقل کیا۔اُردو کے ڈرامے کو صحیح معنوں میں شیکسپیئر سے متعارف کرانے کا سہرا احسن کے سر ہے۔''(12)

احسن لکھنوی کے مشہور ڈرامے بزم فانی، خون ناحق، دلفروش، شہید وفا، بھول بھلیاں اور چند راولی۔ احسن کے تمام ڈراموں میں مکالموں کا انداز نمایاں اور منفرد ہے۔مکالموں میں جدت اور ندرت ہے۔

حافظ محمد عبداللہ:

حافظ محمد عبداللہ فتح پوری کے والد منشی الٰہی بخش اپنے زمانے کے علوم مروجہ میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے اور اپنے علاقے کے بڑے زمیندار ہونے کے علاوہ ایسٹ کمپنی کے دور حکومت میں منصفی کے عہدے پر بھی فائز تھے۔ کل پیداوار ی ان کی ذاتی پیدا کردہ تھی۔حافظ محمد عبداللہ فتح پوری حافظ قرآن تھے اور عربی وفارسی سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔شعر و سخن سے بھی خاصا لگاؤ تھا۔حافظ تخلص کرتے تھے فن شعر سے استادانہ واقفیت رکھتے تھے۔نہ عشقیہ غزل لکھتے تھے نہ قصیدے لکھتے تھے کیونکہ ان اصناف سے خوشامد اور گدائی کی بو آتی تھی۔جو ان کی خودداری کے منافی تھی کبھی کبھی حمد میں طبع آزمائی کر لیتے تھے۔پیشہ وارانہ زندگی میں مختلف تھیٹریکل کمپنیوں سے بھی وابستہ رہے۔امتیاز علی تاج لکھتے ہیں:۔

> ''یہ پہلے لائٹ آف انڈیا تھیٹریکل کمپنی سے منسلک ہوئے پھر ۱۸۸۲ء میں دی انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف انڈیا کی بنیاد ڈالی۔یہ اس کمپنی کے تنہا مالک اور مینجنگ ڈائریکٹر بھی تھے۔یہ کمپنی اس زمانے کی بہترین کمپنی بھی تھی۔ان کا مرکزی دفتر شہر فتح پور میں تھا اور تماشے دکھانے کے لیے دور دراز کے اضلاع الہ آباد کانپور، آگرہ، میرٹھ، فرخ آباد، فیض آباد، دہلی اور لکھنؤ بھی جاتی تھی۔''(13)

حافظ عبداللہ، کے تحریر کردہ ڈرامے، تحفہ سیز دہم تماشائے دلپذیر، فسانہ غمگیں و قائع دلگیر، ستم ہامان و

Published by:
Department of Urdu
Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan)-60800
Website: https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

دلفریب، سخاوت حاتم طائی، ہوائی مجلس و ہفت نیرنگ، جزم فیروز سلطان، سوانح قیس، ظلم عمران، مرقع مہرانگیز، شگنتلااُردو، انجام ستم، دل پسند، گنجینہ محبت، خونِ عاشق جانباز، عطائے سلطنت اور مالِ غرور ہیں۔

امتیاز علی تاج

سید امتیاز علی تاج اردو ڈرامہ کی دنیا میں منفرد اور زریں اہمیت کے حامل ہیں۔ اردو ڈرامے کی موجودہ توقیر میں امتیاز علی تاج نے نظریاتی اور عملی سطح پر یکسو ہو کر کام کیا اور باقاعدہ طور پر ادارہ جاتی کاوشوں سے ماضی میں گمشدہ ڈراموں کی از سر نو تدوین کر کے مجلسِ ترقی ادب سے شائع کروائے امتیاز علی تاج ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں بخارا سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آیا۔ امتیاز علی تاج کے والد سید ممتاز علی اپنے دور کے جید عالم تھے۔ امتیاز علی تاج کی والدہ محمدی بیگم تعلیم یافتہ، روشن خیال خاتون تھیں۔ تہذیبِ نسواں انہیں کی زیر ادارت شائع ہوا۔ امتیاز علی تاج کی تعلیم و تربیت اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ہوئی۔

انار کلی کے علاوہ امتیاز علی تاج نے بے شمار یک بابی ڈرامے تصنیف کیے۔ ان ڈراموں میں سے بہت کم طبع زاد ہیں۔ ورنہ زیادہ تر ڈرامے ترجمہ ہیں۔ قرطبہ کے قاضی ان کے پانچ یک بابی ڈراموں (خوشی، دندان ساز کی کرسی، بوکس لوکس، صیاد اور قرطبہ کا قاضی) کا مجموعہ ہے۔ یہ سب کے سب انگریزی ڈراموں سے ماخوذ ہیں۔ ان کے علاوہ بیگم کی بلی، شیخ برادران، امن و سکون، میری جان کس نے لی، روزی، مریم کلب، گونگی جورو، عمل کے لوازم، کمرہ نمبر ۵، عید کے تحفے، ٹیلی فون پر، برف باری کی ایک رات، اور امتیاز علی تاج کے مشہور ڈرامے ہیں۔ چچا چھکن، سلسلہ وار ریڈیو پاکستان سے شائع ہوتا رہا۔ امتیاز علی تاج نے گورنمنٹ کالج ڈرامیٹک کلب میں بھی بہت فعال کردار ادا کیا۔ امتیاز علی تاج کو ۱۸ اور ۱۹ اپریل ۱۹۷۰ء کی درمیانی شب کو قتل کر دیا گیا۔ یوں ایک ڈراما نگار کی موت بھی ڈرامائی انداز میں ہوئی۔

خواجہ معین الدین:

تقسیم کے بعد شہر کراچی میں جس شخص نے تھیٹر کے لیے بے مثل کاوشیں سرانجام دیں اور اپنی صلاحیتوں کو منوایا۔ ان میں خواجہ معین الدین سر فہرست ہیں۔ خواجہ معین الدین کا پورا نام غلام خواجہ معین الدین تھا وہ ۲۳ مارچ ۱۹۲۴ء بمطابق ۱۶ رجب بمقام توچران ضلع حیدرآباد دکن اپنے نانا مولوی مدار شریف کے گھر پیدا ہوئے۔ خواجہ معین الدین کے والد غلام جیلانی شیخ برادری کے متوسط درجے کے زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ساتھ ہی

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

وکالت بھی کرتے تھے۔ خواجہ معین الدین کی والدہ رقیہ بیگم بڑی مذہبی اور دین دار خاتون تھیں۔ خواجہ صاحب پر اپنی والدہ کا گہرا اثر تھا۔

اُردو ادب میں ۵۰ کی دہائی میں اگر ہم نظر دوڑائیں تو ہمیں خواجہ معین الدین جیسے قد کاٹھ کا کوئی ڈرامہ نویس نظر نہیں آتا۔ خواجہ معین الدین کی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے ڈرامہ نویسی کے ساتھ اپنے آپ کو ہدایتکاری میں بھی منوایا۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ:۔

> "پاکستان میں خواجہ معین الدین (متوفی ۱۹۷۱ء) نے ڈرامے کو سریع اثر فن کی صورت میں استعمال کیا۔ انہوں نے زوال حیدر آباد لال قلعے سے لالو کھیت تک، آخری نشان، اور تعلیم بالغاں، لکھے اور اسٹیج کیے۔ خواجہ معین الدین مکالموں میں طنز سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن کلائمکس پر تاثر پھیل جاتا ہے۔ ان کا رشتہ فنی طور پر قدیم ڈرامے کے ساتھ قائم تھا لیکن انہوں نے موضوعات دورِ حاضر کے مسائل سے منتخب کیے۔"(14)

الحمراء:

الحمراء پاکستان کی تدریخ میں حکومتی سربراہی میں بننے والا اولین ادارہ تھا جس نے پاکستان میں تھیٹر کی سرگرمیوں کو پروان چڑھایا۔ الحمراء کے پہلے چیئرمین جسٹس اے ایس رحمان، سیکرٹری امتیاز علی تاج اور آفس سیکرٹری خلیل صحافی بنے۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۶ء تک الحمراء میں موسیقی اور مصوری سے متعلق تو کئی پروگرام اور نمائش منعقد کروائیں گئیں لیکن تھیٹر نہیں کیا گیا۔ ۱۹۵۶ء میں امتیاز علی تاج نے پاکستان آرٹس کونسل کی گورننگ باڈی کی تشکیل کا معاملہ اٹھایا۔ ۱۹۵۶ء کے اواخر میں یہاں اُردو تھیٹر کی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء تک الحمراء نے کئی اداکار، ہدایت کار اور ڈرامہ نگار متعارف کروائے۔ اس دور کے طبع زاد ڈرامہ نگاروں میں امجد اسلام امجد، اطہر شاہ خان، بختیار احمد، جمیل بسمل، ایم شریف، نصرت ٹھاکر، خالد عباس ڈار، زین العابدین، علی اعجاز، اقبال افندی، خالد عباس ڈار، جبکہ اداکاروں میں بختیار احمد، زبیر بلوچ، سلمان شاہد، عثمان پیرزادہ، علی اعجاز، اقبال آفندی، خیال سرحدی، جمیل فخری، فردوس جمال، عرفان کھوسٹ، حامد رانا، امان اللہ خواتین میں ثمینہ احمد، ثمینہ پیرزادہ، عطیہ اشرف، فوزیہ درانی، ریحانہ صدیقی، دردانہ بٹ، نجمہ محبوب اور ثروت عتیق قابل ذکر ہیں۔ ہدایت کاروں اور ڈرامہ نگاروں

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E): 1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

میں سرمد صہبائی، شاہد ندیم، مدیحہ گوہر، بختیار احمد، سلیم چشتی، سلمان شاہد اور رشید عمر تھانوی کا کام معیاری ہے۔

نعیم طاہر

نعیم طاہر پاکستان میں تھیٹر کی سرگرمیوں کا ایک بڑا نام ہیں۔ یہ ۱۹۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے B.A ایم اے نفسیات کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔ بعد ازاں بیچلر آف تھیٹر آرٹس کی ڈگری یونیورسٹی آف کیلفیورنیا سے حاصل کی۔ نعیم طاہر کے والد انسپکٹر آف سکولز تھے اور والدہ میڈیکل ڈاکٹر جب نعیم طاہر امریکا سے تھیٹر آرٹس کی بیچلر ڈگری لے کر ملک میں واپس آئے تو اُردو ادب کے مشہور ڈرامانگار امتیاز علی تاج کی نگاہ ان پر پڑی۔ نعیم طاہر نے امتیاز علی تاج کی صاحبزادی یاسمین تاج کے ساتھ مل کر دو انگریزی کھیل کا ترجمہ اور تہذیب (Adaptation) کی پہلا کھیل آداب عرض اور دوسرا ڈرامہ ''سوئے کہاں تھا'' اس کے بعد نعیم طاہر نے ایک انگریزی کھیل See how they sun کو ''آپ کی تعریف'' کے نام سے ترجمہ کیا۔ یاسمین طاہر کے مطابق:۔

> ''نعیم نے اس سے پہلے دو ڈراموں کو اُردو کا جامہ پہنچا چکے تھے۔ مشہور مصنف آلیور گولڈ سمتھ کا she stop to Conquer ہم نے آداب عرض کے نام سے پیش کیا۔ ایک دوسرا ڈرامہ جو لندن میں West end میں بہت کامیاب ہوا تھا اور جس کی فلم بھی بن چکی تھی۔ اس ڈرامے کا نام A little bit of fall۔''

۱۹۶۳ء میں فیض احمد فیض کے بعد نعیم طاہر کو الحمراء آرٹس کونسل کا سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ نعیم طاہر نے الحمراء کی نئی عمارت کے قیام کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کیا اور اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور کامیاب ہوئے۔ بعد ازاں PIA میں بھی ملازمت کے فرائض سرانجام دیے۔ ۲۰۰۵ء میں پرویز مشرف نے نعیم طاہر کو پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس (PNCA) کا ڈائریکٹر نامزد کیا۔ جہاں پر نعیم طاہر نے نہ صرف تھیٹر بلکہ آرٹس اور موسیقی کی ترویج کے لیے بھی کام کیا۔ (PNCA) میں نیشنل آرٹ گیلری کا قیام نعیم طاہر کا مستحسن کا کارنامہ ہے۔ نعیم طاہر کے تحریر کردہ کھیل جلسہ اُردو ڈرامے کا، درخت اور آندھی، جب کہ ترجمہ کردہ کھیل ''سوئے کہاں'' آداب عرض اور آپ کی تعریف جن کھیلوں کی ہدایتکاری دی ان میں مجرم کون، آداب عرض اور آپ کی تعریف شامل ہیں۔

Published by:
Department of Urdu
Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan)-60800
Website: https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

ضیاء محی الدین

ضیاء محی الدین ۲۰ جون ۱۹۳۳ء کو لائل پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خادم محی الدین غیر منقسم ہندوستان میں تھیٹر کیا کرتے تھے۔ ضیاء محی الدین نے اسکول اور کالج کی تعلیم قصور اورلاہور سے حاصل کی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔اے انگریزی ادب کیا۔ریڈیو پر طبع آزمائی کی کامیابی کے بعد ریڈیو آسٹریلیا سے ملنے والی پیش کش کو قبول کیا۔۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۶ء کے دوران برطانیہ میں تھیٹر کی تعلیم کے لیے تھیٹر کی تعلیم کے ادارے (رائل اکیڈمی آف ڈرامیٹک آرٹ) میں زیر تعلیم رہے۔

۲۰۰۵ء میں صدر پاکستان پرویز مشرف کی درخواست پر مشہور زمانہ فنون لطیفہ کے بے مثل فنکار ضیاء محی الدین کو بلایا گیااور اس ادارے کا سربراہ مقرر کیا گیا۔اس ادارے کی ترتیب و تنظیم کرتے ہوئے ابتدا(۳) شعبہ جات کاآغاز کیاجو کہ موسیقی، تھیٹر، اوررقص تھے۔پرویز مشرف کے مطابق:۔

> ''میں نے فنون لطیفہ کے میدان میں موسیقی، ڈرامہ اوررقص کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ہم نے کراچی میں ایک National Academy of performing art کھولی ہے۔ جو تھیٹر کے معروف فنکار ضیاء محی الدین کی زیر نگرانی چل رہی ہے۔''(15)

نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹ میں ہر سال بیس طلباء ایک کڑے آڈیشن کے بعد داخلہ پانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ جنہیں (۳) سال کی تعلیم اور تربیت مکمل کرنا ہوتی ہے۔ تمام سالوں میں طلباء کو حرکیات (Movements)، آواز (Voice)، انتخاب الفاظ (Diction)، موسیقی (Music)، تاریخ تھیٹر برجستگی (Improvisation) اور ڈرامہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر سہ ماہی کے بعد ہر کیٹگری میں طالب علم کو پرکھا جاتا ہے۔ ناپا (نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹ) میں تعلیم کے ساتھ ساتھ کٹھن تربیت نصاب کا لازمی جزو ہے۔۲۰۰۵ء سے ناپا میں طلباء تھیٹر آرٹس کے شعبہ میں داخلہ لے کر اپنی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔۲۰۰۸ء میں ناپا کا پہلا گروپ اپنی تعلیم مکمل کر کے فارغ التحصیل ہوا۔ ناپا کی انتظامیہ نے اپنے تعلیم یافتہ گریجویٹس کو ہنر آزمانے کا موقع دینے کے لیے ناپار یپرٹری تھیٹر کمپنی کی بنیاد رکھی۔(NRTC) جس کا مقصد سال بھر میں مختلف انداز کا تھیٹر۔ سامعین کے سامنے پیش کرنا تھا۔اس ریپرٹری کمپنی میں ناپا کے گریجویٹس اور مجبور آرٹسٹ کو بھی کام کرنے کی اجازت دی گئی۔

ناپار یپرٹری تھیٹر کمپنی کے پہلے آرٹسٹنگ ڈائریکٹر راحت کاظمی منتخب کیے گئے۔اس کے بعد یہ ذمہ داری

زین احمد نے سر انجام دی۔

رفیع پیر زادہ

رفیع پیر زادہ بیسوی صدی کے اوائل کے ان فنکاروں میں شامل ہیں جنھوں نے پاکستان میں فنون لطیفہ کی بنیاد میں بھی حصہ ڈالا۔ ۲۱ اپریل ۱۹۰۰ء کو راولپنڈی میں پیر تاج الدین کے گھر میں پیدا ہوئے۔ رفیع پیر انگلینڈ میں والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بیر سٹر ی کی تعلیم حاصل کرنے گئے۔ بعدازاں بدہ سال تک جرمنی میں تھیٹر کی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔

رفیع پیر زادہ اپنے ڈراموں میں کسی مخصوص فکر کی ترویج کرتے نظر نہیں آتے لیکن ان کی تحریروں پر تھیٹر کے تجرباتی عملی، نفسیاتی اور ادبی پہلوؤں کا اثر ضرور نظر آتا ہے۔ ان کے تحریر کردہ ڈراموں میں نقاب، موت سے ملاقات، سناٹا راز د نیاز، دیوانہ بکار خویش ہشیار، ساحل، مار آستین اور نواب صاحب قبلہ شامل ہیں۔ رفیع پیر کے ڈراموں میں مکالمے بناوٹ کے اثر سے پاک ہوتے ہیں اور ارد گرد کے ماحول اور کلچر کی بھرپور عکاسی بھی کر رہے ہوتے ہیں۔

کمال احمد رضوی

کمال احمد رضوی یکم مئی ۱۹۳۰ء کو بہار ہندوستان کے ایک قصبے ''گیا'' میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید عبدالرشید پولیس ڈپارٹمنٹ میں تھے انہوں نے تین شادیاں کی تھیں اور کمال رضوی اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے۔ ان کے دو سوتیلے بھائی تھے۔ غیر منقسم ہندوستان میں پیدا ہونے کے باوجود پاکستان ہجرت کرنے کے بعد انہوں نے خود کو ہمیشہ پاکستانی سمجھا اور ثابت بھی کر دکھایا۔ پاکستان سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ پاکستان کے دولخت ہونے اور موجودہ حالات پر دل گرفتہ رہتے تھے۔ کمال رضوی نے اپنے تھیٹر کے کیریئر کا آغاز ۱۹۵۸ء سے کیا۔ ان کے مشہور ڈراموں میں بلا کی بد ذات، خوابوں کے مسافر، مسٹر شیطان، نیا سبق، اس حمام میں سب ننگے ہیں، لفنگے کی ڈائری، ہم کہ ٹھہرے اجنبی، کھویا ہوا آدمی، کس کی بیوی کس کا شوہر، دغا باز، بادشاہت کا خاتمہ (ماخوذ) اور سائے (ترجمہ شدہ)۔

کمال احمد رضوی کو بے مثل مقبولیت ان کے ٹیلی ویژن پر پیش کیے ڈرامے ''الف نون'' سے ملی۔ ''الف نون'' سیریز میں معاشرہ کے مختلف پیشہ ور کرداروں اور شعبوں کو طنزیہ انداز میں پیش کیا جاتا تھا۔ بقول کمال رضوی:۔

''پی ٹی وی پر آپ کی آمد کیسے ہوئی؟ اس سوال کے جواب میں کمال احمد رضوی نے بتایا ان دنوں

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

میرا ایک سٹیج ڈرامہ چل رہا تھا۔ جس کا نام ''خوابوں کے مسافر'' تھا۔ پی ٹی وی کے ڈائریکٹر اسلم اظہر وہ ڈرامہ دیکھنے آئے۔ وہ پی۔ ٹی۔ وی کا ابتدائی زمانہ تھا اور انہیں کارکنوں کی ضرورت تھی۔''(16)

کمال احمد رضوی کی زندگی کا پہلا کھیل جس میں انہوں نے بطور اداکار کام کیا وہ شیکسپیئر کا ''جولیس سیزر'' تھا جسے حفیظ جاوید نے ترجمہ کیا اور لندن سے تھیٹر کی تعلیم حاصل کرنے والے ضیاء محی الدین نے پیش کیا۔ کمال رضوی کا کہنا ہے یہی وہ کھیل ہے جس نے ۱۹۵۷ء میں میرے اندر تھیٹر کا حقیقی اور نہ رکھنے والا شوق پیدا کر دیا۔ کمال احمد رضوی کے دل میں بھی یہ شوق انگڑائی لینے لگا کہ کسی طرح وہ بھی لندن جا کر تھیٹر کی تعلیم کے ادارے RADA (رائل اکیڈمی آف ڈرامیٹک آرٹ) میں تھیٹر کی تعلیم حاصل کریں۔ مگر اپنی معاشی مشکلوں کے سبب اپنی اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

کمال احمد رضوی کے تحریر کردہ ڈراموں میں معاشرتی خامیوں سماجی ناہمواریوں اور بورژوا طبقوں کی عنائیت کو صاف ستھرے انداز میں بے نقاب کیا جاتا تھا۔ کمال رضوی زندگی کو سدھارنے کے لیے کسی فلسفیانہ طرز عمل کے قائل نہ تھے بلکہ وہ سیدھے سادھے انداز میں عوامی مسائل کا حل چاہتے تھے۔ اپنے مشہور زمانہ ڈرامے ''ہم سب چور ہیں'' میں بھی ایک ہی گھر میں موجود معاشرے کے مختلف کرداروں کی نمائندگی کرنے والے افراد کو بہت سہل طریقے سے بے نقاب کرتے ہیں۔

دیال سنگھ کالج لاہور:

پاکستان کی تخلیق سے قبل اور بعد میں جس علمی درس گاہ نے تھیٹر کی روایت کو ایک حد تک زندہ رکھا وہ دیال سنگھ کالج لاہور تھا۔ ڈاکٹر محمد صادق دیال سنگھ کالج کے پرنسپل تھے۔ کالج کی انتظامی مصروفیات کی وجہ سے وہ تھیٹر کو زیادہ وقت نہ دے پاتے پھر یہ ذمہ داری کالج میں نئے آنے والے استاد کلیم الدین نے نبھائی۔ بقول محمد صادق لکھتے ہیں:۔

''مسٹر کلیم الدین کی آمد سے کالج کی ڈرامیٹک کلب کا از سر نو احیا ہوا۔ تقسیم ملک سے پہلے دیال سنگھ کالج نے کھیل دکھانے میں بڑا نام پیدا کر رکھا تھا۔ چونکہ کالج میں مخلوط تعلیم کا رواج تھا۔ اس لیے اداکاروں کے انتخاب میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ تقسیم ملک کے بعد کئی سال تک ڈرامیٹک کلب کا اجرا نہ ہو سکا۔ مسٹر کلیم الدین احمد نے حال ہی میں تین ایکٹ کا ڈرامہ ''کاغذ

کے پھول'' پیش کیا جو ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر کامیاب رہا۔''(17)

دیال سنگھ کالج میں پیش کیے جانے والے کھیل یہ ہیں۔نرودپشیمان، کاغذ کے پھول، زینہ کدل، جس کو سبق یاد ہوا، یہ جنون نہیں تو کیا ہے، اک تیرے آنے سے، بیوقوف درخت اور آندھی، دولت تیرے تین نام، ستم گر تیرے لیے ہنسی ہنسی میں اور سوئے کہاں۔

منصور سعید ''دستک تھیٹر گروپ'':

منصور سعید ۱۹۴۲ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔وہ لکھاری اور ترجمہ نگار تھے۔کمیونسٹ پدٹی آف انڈیا سے تعلق رہا، وہ کمیونسٹ پدٹی آف انڈیا(مارکسٹ) کے جنرل سیکرٹری رہے۔۱۹۷۰ء میں وہ پاکستان آگئے۔۱۹۷۴ء کو کمیونسٹ پدٹی آف پاکستان میں شامل ہوگئے۔وہ برصغیر اور پاکستان میں ترقی پسند تحریک میں بھی سرگرم عمل رہے۔ وہ ایک مثالی ڈرامہ نگار اور ہدایتکار تھے۔ان کی بیگم عابدہ سعید بھی تھیٹر کی اداکارہ اور ماہر تعلیم تھیں۔ان کی بیٹی ''ثانیہ سعید'' تھیٹر اور ٹیلی وژن کی معروف اداکارہ ہیں۔منصور سعید کے داماد شاہد شفاعت بھی ''کتھا'' کے نام سے اپنا تھیٹر گروپ چلاتے ہیں:۔

> ''اپنی صلاحیتوں کے مطابق انہوں نے PTV کے سابق چیرمین اسلم اظہر کے ساتھ مل کر ''دستک'' نامی تھیٹر گروپ بنایا جس نے مشہور ڈرامہ نگار برتولت بریخت کے بے شمار ڈراموں کو ترجمہ کر کے سٹیج پر کامیابی سے پیش کیا۔ یہ ضیاءالحق کی حکومت کا دور تھا جس میں حکومت مخالف مواد پیش کرنے کی سخت پابندیاں تھیں مگر منصور سعید نے بڑی جوانمردی سے اپنے تھیٹر گروپ دستک کے ذریعے عوام کو آگاہی دیتے رہے۔''(18)

منصور سعید نے چار مشہور کھیلوں کا ترجمہ کیا۔پہلا کھیل گرگٹ (کمیلئین) انوکھی بات بھی ممکن نہیں۔ گلیلیو کی داستان (Life of Galileo) ایک جلاوطن سے انٹرویو (Interview in Buenos Aires) منصور سعید ہمیشہ سے معاشرے میں پھیلے غیر مساوی رویوں، ناہمواریوں، ظلم و زیادتیوں کے خلاف فکری و عملی کوشش کرتے رہے تھے۔اپنی ان کوششوں میں نہ صرف انہوں نے سیاسی دوستوں کو شامل حال رکھا بلکہ اپنے خاندان کے تمام افراد کو بھی اسی جدوجہد کا حصہ بنایا۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منصور سعید معاشرتی تبدیلی کا آغاز اپنے گھر سے کرنا چاہتے تھے۔

شاہد محمود ندیم:

شاہد ندیم ۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء میں سوپور کشمیر میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ایس۔سی اطلاقی نفسیات کیا اور ایم۔اے فلسفہ کیا۔ دورانِ تعلیم وہ آمریت کے خلاف طلبہ کی تحریک میں پیش پیش رہے اور کئی بد قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا شروع کیا۔ شاہد ندیم پنجاب یونیورسٹی لٹریری فورم کے صدر اور حلقہ اربابِ ذوق کے جوائنٹ سیکرٹری بھی رہے۔ بقول شاہد محمود ندیم:۔

> ''کچھ عرصہ صحافت کرنے کے بعد ۱۹۷۳ء میں وہ پاکستان ٹیلی ویژن سے بطور پروڈیوسر وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۷۸ء میں انہیں مارشل لاء کی مخالفت میں ٹی وی کارکنوں کے احتجاج کی قیادت کے جرم میں فوجی عدالت سے ایک سال اور ۱۵، کوڑوں کی سزا دی گئی اور ملازمت سے نکال دیا گیا۔ضیا آمریت کا باقی وقت انہوں نے جلاوطنی میں گزارا اور اس دوران بی۔پی۔سی کے علاوہ ایمنٹی انٹرنیشنل سے وابستہ رہے۔ جلاوطنی کے دوران وہ اجو کا تھیٹر کے لیے ڈرامے لکھتے رہے۔''(19)

ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران جہاں شاہد ندیم نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔اس کے ساتھ ساتھ شاہد ندیم کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت بھی ہوتی رہی۔شاہد ندیم نے معاشرے میں روا رکھی جانے والی ناہمواریوں، معاشرتی نا انصافیوں اور مذہبی شدت پسندانہ عناصر کا بغور عملی جائزہ لیا۔ شاہد ندیم انسانی حقوق کی پامالیوں، فرسودہ خاندانی رسموں، تنگ نظری اور تعصب پسندی کے خلاف ایک توانا آواز بن کر ابھرے۔

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 41, Issue No. 1, June 2025

حوالہ جات و حواشی

1۔ عشرت رحمانی،آغاز مشمولہ اُردو ڈراما کا ارتقاء عشرت رحمانی،(علی گڑھ: علی بک ڈپو، 1978)، ص115

2۔ عشرت رحمانی،آغاز مشمولہ اُردو ڈراما کا ارتقاء عشرت رحمانی، ص12

3۔ وقار عظیم، ڈرامہ اور اس کا فن مشمولہ اُردو ڈراما فن اور منزلیں(لاہور: جی سی یونیورسٹی، 1996)، ص13

4۔ وقار عظیم، ڈرامہ اور اس کا فن مشمولہ اُردو ڈراما فن اور منزلیں، ص12

5۔ رجب علی بیگ سرور، افسانہ عبرت، مرتبہ ذکی کاکوری، (لکھنو: کتاب نگر، 1954)، ص114

6۔ سید حسن، بہار کا اُردو سٹیج، مشمولہ بہار کا اُردو سٹیج اور اُردو ڈرامہ، سید حسن، (پٹنہ: کتاب خانہ، 1978)، ص10

7۔ کلیم سہرامی، مشرقی بنگال میں اُردو ڈرامے کا پس منظر، کتاب نما، کلیم سہرامی، 1992ء، ص14

8۔ امانت لکھنوی، مشمولہ اندر سبھا مرتبہ، وقار عظیم (لاہور: اُردو مرکز:) ص80

9۔ شمس کنول، اُردو اسٹیج اور بمبئی ماہنامہ، قند ڈرامہ نمبر، 1961ء، ص26

10۔ اے۔بی۔اشرف، حکیم احمد شجاع، مشمولہ اُردو اسٹیج ڈرامے کی مکمل تاریخ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1986ء)، ص210

11۔ عبدالعلیم نامی، ڈاکٹر، اُردو تھیٹر، جلد دوم، (کراچی: انجمن ترقی اردو، 1962ء)، ص107

12۔ اے بی اشرف، احسن لکھنوی، اُردو ڈرامے کی مکمل تاریخ، ص188

13۔ امتیاز علی تاج، حافظ عبداللہ، مشمولہ، حافظ عبداللہ کے ڈرامے، ص3

14۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، (دہلی: عالمی میڈیا پرائیویٹ لمٹیڈ، 2014)، ص628

15۔ پرویز مشرف، روشن پاکستان مشمولہ سب سے پہلے، ص401

16۔ کمال احمد رضوی، چند باتیں اور ایک انٹرویو، مصنف راشد اشرف مشمولہ، کمال کی باتیں، ص36

17۔ محمد صادق، ڈاکٹر، رپورٹ موقع دیال سنگھ کالج کانووکیشن، 1965ء، اپریل

18۔ The News، 26.05.2010

19۔ شاہد ندیم کے بارے میں مشمولہ، تیسری دستک، اجوکا پبلی کیشنز، ص5